بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

آٹھ ماہ کی جبری بندش کے بعد اللہ تعالیٰ نے جماعت اسلامی کی بحالی کے بالکل غیب سے سامان پیدا کر کے اُسے پھر ایک بار میدانِ عمل میں اترنے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ۔ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔

مُنعمِ حقیقی کی اس رحمتِ بے پایاں کا ہم جس قدر شکریہ ادا کریں، اُسی قدر کم ہے الفاظ کا کوئی ڈھانچہ ہمارے دلی جذبات کے اظہار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ہم اس مالک الملک کی بے حد و حساب عنایات کے شکر گزار ہیں کہ اُس نے ہمیں ہماری ساری خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اپنے دین کی خدمت اور چاکری کا موقع مہیا فرمایا ہے۔

یُوں تو جماعت کی تشکیل سے پہلے ہی جب اس کا ابھی ارادہ ہی کیا گیا تھا مختلف حلقوں کی طرف سے اس کے موقف کے بارے میں کئی قسم کے بے جا خدشات اور بدگمانیوں کا اظہار کیا گیا لیکن چند سالوں سے اس کے بارے میں غلط فہمیوں کے جو طوفان اٹھائے جا رہے ہیں ان کی بنا پر ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم اس کے مقصد اور طریقِ کار کے متعلق

وقتاً فوقتاً وضاحت کرتے رہیں تاکہ اس کے کارکن اور اس کے بہی خواہ اس تلاطم خیز فضا میں اُن مقدس عزائم اور نیک آرزوؤں کو نظر انداز نہ کرنے پائیں جن کی تکمیل کے لیے جماعت اسلامی کو قائم کیا گیا ہے۔ دوسرے وہ سلیم الفطرت حضرات جو ضد اور چڑ کے جذبات میں بہک کر نہیں، بلکہ محض غلط پراپگنڈے کا شکار ہو کر اس کی مخالفت کرنے میں مصروف ہیں۔ انھیں سوچنے، سمجھنے اور حالات کو صحیح طور پر جانچنے کی دعوت دی جائے۔

ہم اپنے خالق و مالک، اس کے فرشتوں، اس کی پوری کائنات اور ساری نوعِ بشری کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ جماعتِ اسلامی کے قیام کا مقصد بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ ہمارا پروردگار ہم سے راضی ہو اور قیامت کے روز جب ہم اُس کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں تو وہ مالک الملک اور مالک یوم الدین ہمیں اپنا اطاعت گزار سمجھ کر ہم سے انتہائی نرمی اور شفقت کا برتاؤ کرے۔ یہ ہماری دعوت بھی ہے اور ہماری آرزو بھی۔ ہم اسی ایک مقصد کے حصول کے لیے جمع ہوئے ہیں اور اسی کے لیے اپنی بساط کے مطابق جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہمیں اس امر کا بھی پوری طرح اعتراف ہے کہ یہ عظیم اور بلند مقصد جس قسم کے اخلاص، جس نوعیت کے ایثار اور جس طرح کی مضبوط سیرت و کردار کا متقاضی ہے، ہم اس کے تقاضوں کو کسی اعتبار سے بھی پورا نہیں کرتے۔ ہماری ہمتیں پست، ہمارے ارادے متزلزل، ہمارے ایمان ناقص ہیں۔ ہمیں یہ سب کچھ تسلیم ہے لیکن اپنی ان سب کوتاہیوں کے اعتراف اور ان پر اظہارِ ندامت کے باوجود یہ بات کسی جذبۂ فخر سے نہیں بلکہ محض تحدیثِ نعمت کے طور پر کہتے ہیں کہ ہم رب العالمین کے دین کو اس دنیا میں غالب کرنے کا عزمِ صمیم رکھتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ لوگ اس مقصد کی رفعت اور اس کے حصول کی دشواریوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے، جب ہماری تہی دستی پر نظر ڈالیں تو ہماری اس جسارت پر خندہ زن ہوں، اور اسے چھوٹا منہ اور بڑی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیں، لیکن ہمیں یقین ہے کہ ہمارا خالق ہماری حقیر سی سعی کو ضرور شرفِ قبولیت بخشے گا اور اس کی

بے حد و حساب رحمت اپنے دامن میں ہماری ساری خامیوں کو ڈھانپ لیگی اور دنیا و آخرت میں ہمیں فائز المرام کرے گی۔ ہماری یہ جسارت جو اپنے مزاج اور نوعیت کے اعتبار سے مصر کی اُس روایتی بڑھیا کی حوصلہ مندی سے ملتی جلتی ہے جس نے سوت کی انٹی کے عوض حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری کا عزم کیا تھا ہمیشہ نفرت و حقارت کی مستحق نہیں سمجھی گئی بلکہ بسا اوقات قادرِ مطلق نے اسی طرح کی معصوم اور سادہ تمناؤں کی، جن کے پیچھے مادی وسائل کی غیر معمولی کمی ہوتی ہے تکمیل کرکے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا اظہار کیا ہے۔ آخر ابرہہ بن الاثرم کے ہاتھیوں کی ننھی منھی چڑیوں کے ہاتھوں تباہی اسی دنیا کے واقعات میں سے ہے۔

لوگ ہم سے بار بار پوچھتے ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ ان کے جواب میں ہم نے بارہا ایک بات ہی کہی ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ۔ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ۔ (آل عمران۔ ۵)

اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ لہٰذا تم اُس کی بندگی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

یہ ہے ہماری دعوت کا مرکزی نکتہ۔ ہم اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اس کائنات کا خالق و مالک ہی تنہا عبادت کا مستحق ہے۔ اور جو انسان اس معقول طرزِ عمل کو چھوڑ کر کوئی دوسری روش اختیار کرتا ہے وہ باغی اور خائن ہے۔ یہ بات انسانی عقل و فکر کے خلاف ہے کہ کوئی شخص مالک الملک کی بادشاہت میں رہے، اُس کے خزانوں سے بھرپور فائدہ اٹھائے، مگر عبادت کے لیے قوم، نسل، وطن، پتھر کی مورتیوں یا اپنی خواہشات کو منتخب کرے۔ الٰہ درحقیقت وہی ہے جس نے ہمیں اور ہمارے اردگرد پھیلی ہوئی ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور جس کی قدرت ذرہ ذرہ پر حاوی ہے۔ جس کی حاکمیت اور فرمانروائی صرف اس عالمِ آب و گل تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے ماورا تمام عالموں پر پوری طرح محیط ہے۔

پھر ہم نوعِ بشری کو اس بات کی بھی دعوت دیتے ہیں کہ وہ عبادت سے وہی مفہوم لے جو صحیح فطری اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ جب ایک انسان یہ تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اُس کا خالق و مالک، اس کا کارسازِ حقیقی، اس کا رب، اس کا آقا، فرمانروا ہے تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ قادرِ مطلق کے سامنے ہی سرِ نیاز خم کرے، اسی کا شکر گزار ہو، اسی سے دعائیں مانگے اور اسی کے حضور میں محبت و عقیدت کے نذرانے پیش کرے۔ پھر وہ جب اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ خدا ہی اُس کا مالک و آقا ہے تو اس سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ وہ پوری زندگی اسی کا بندہ اور غلام بن کر رہے، اسی کی غلامی کے قلادے کو جبر و اکراہ کے ساتھ نہیں بلکہ پوری خوش دلی کے ساتھ اپنی گردن میں ڈال لے۔ اس کا رویہ کسی خود مختار اور غیر مسئول فرد کا نہ ہو بلکہ اُس شخص کا سا ہو جو پروردگارِ عالم کی غلامی کو اپنا سرمایۂ حیات اور ذریعۂ نجات سمجھتا ہے۔

اسی طرح خدا کو واحد فرمانروا ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ انسان اُسی کے حکم کی بلاچون و چرا اطاعت اور اسی کے قانون کی پیروی کرے۔ نہ خود اپنا حکمراں بنے اور نہ اس کے سوا کسی دوسرے کی حاکمیت تسلیم کرے۔ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ جب خلق اسی مالک الملک کی ہے تو امر بھی اسی کا ہے۔ سروری اُسی ذاتِ بے ہمتا کو زیبا دیتی ہے۔ اُس قادرِ مطلق کے علاوہ اس کے سارے دعویدار جھوٹے ہیں۔ اس نے اپنی خلق کو دوسروں کی کبریائی تسلیم کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں اپنی من مانی کارروائیاں کرتے رہیں اور نہ ہی اُس نے مخلوق کو یہ آزادی دی ہے کہ وہ اپنے مالک کی منشا اور مرضی کے بغیر جو چاہے کرتی پھرے۔

اسلام میں عبادت کا لفظ محض پوجا پاٹ کے لیے استعمال نہیں ہوا بلکہ یہ لفظ پرستش، اطاعت اور فرمانبرداری، بندگی اور غلامی سب پر حاوی ہے۔ ایک انسان جب اپنے معبودِ حقیقی کے ساتھ رشتۂ عبودیت استوار کرتا ہے تو وہ جملہ خود مختاریوں سے دستبرداریوں ہو کر اپنی پوری

زندگی اُس کے حوالے کر دیتا ہے۔ اُسی کے سامنے اپنی جبینِ نیاز جھکا کر اپنی بندگی کا اظہار اپنی کم مائیگی اور کمزوری کا اعتراف کرتا ہے، پھر اُسی کے بتائے ہوئے حق و صداقت کے راستے پر گامزن ہو کر اپنی وفاداری اور عقیدت کا ثبوت فراہم کرتا ہے اور اس کے حیات آفریں قوانین کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کر کے نہ صرف اپنی فلاح پاتا ہے بلکہ مالک الملک کی حاکمیت کی شہادت دیتا ہے۔

ربّ السمٰوات والارض کی بندگی اور اطاعت گزاری کوئی جز وقتی شغل نہیں بلکہ ایک ایسا مقدس ہمہ وقتی کام ہے جس سے ہم ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ـ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (البقرہ-۲۵)	اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جو صاف ہدایات تمہارے پاس آچکی ہیں، اگر ان کو پالینے کے بعد تم نے لغزش کھائی تو خوب جان رکھو کہ اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر یہ حقیقت پوری طرح واضح کر دی ہے کہ اسلام انسان سے مکمل اطاعت۔ اور پوری فرمانبرداری کا تقاضا کرتا ہے اور یہ اطاعت کسی استثنا اور تحفظ کے بغیر حیاتِ انسانی کے ہر شعبے میں ہونی چاہیے۔ یعنی جب تم اللہ تعالیٰ کے مالک، خالق، حاکم، فرمانروا اور رب ہونے کا زبان سے اقرار کرتے ہو، تو پھر تمہارے نظریات، تمہارے علوم، تمہارے طور طریقے، تمہارے معاملات اور تمہارے سعی و عمل کے راستے سب کے سب بالکل تابع اسلام ہونے چاہییں۔ اللہ تمہارا تمہارے معابد ہی میں معبود نہیں بلکہ معیشت و معاشرت، سیاست و قانون، تہذیب و تمدن میں تمہارا مطاع ہے۔ زندگی کے جس گوشے میں بھی تم اُس کی

ہدایات کو پس پشت ڈال کر کسی اور کی پیروی اختیار کرو گے تو وہ درحقیقت شیطان کی پیروی ہوگی۔

ایمان ایک مابعد الطبیعاتی عقیدہ نہیں بلکہ ایک مومن کی پوری زندگی، اس کے جسم و جان، اُس کی جسمانی اور دماغی صلاحیتوں اور اُس کے سارے ذرائع و وسائل کا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سودا ہے۔ یہ ایک معاہدہ ہے جس کی رُو سے بندہ اپنا نفس اور اپنا مال خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور اس کے عوض میں خدا کی طرف سے اس وعدے کو قبول کر لیتا ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں وہ اسے فائز المرام کرے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے
اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔	نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے
(التوبہ - ۱۱۱)	ہیں

یہ بیع زندگی کے کسی ایک حصے کی نہیں بلکہ پوری زندگی کی ہے۔ اس میں اس کی جان، اُس کا جسم اور ان دونوں کی ترغیبات اور ان کے تقاضے شامل ہیں پھر اپنے نفس سے ہٹ کر خارجی زندگی میں اُس کے پاس جو کچھ موجود ہے اُس کے حقوق مالکانہ صرف مالک الملک کو ہی حاصل ہیں۔ اُس کی اپنی حیثیت جسم و جان اور مال متاع کے مالک کی نہیں بلکہ امین کی ہے اور وہ اس امانت سے اپنی منشا کے مطابق نہیں بلکہ اس کے اصل مالک کی مرضی کے مطابق ہی فائدہ اٹھانے کا مجاز ہے اور اگر وہ دیانت کی اس روش کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے تحت اس میں تصرف کرتا ہے تو وہ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لیے اُس نے حیات انسانی کی فطری وحدت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے احکام صادر فرمائے ہیں۔ وہ زندگی کے مختلف شعبوں کے درمیان تفریق بلکہ تضاد پیدا کرنے کی بجائے انہیں ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرتا

ہے۔ وہ انسان سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ جس بلند و برتر ذات کو تو نے اپنی نماز اور پرستش میں الٰہ تسلیم کیا ہے اُسے زندگی کے ہر میدان میں اپنا مطاع مان لو۔ تمہاری زندگی کا کوئی گوشہ بلکہ تمہارے قلب و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا نہ ہونا چاہیے جس پر اُس قادرِ مطلق کی اطاعت کی گہری چھاپ نہ ہو۔ اپنے آقا و مولا سے تمہاری عجز و نیاز کی باتیں، اس کے حضور میں نذرانۂ عقیدت و محبت، اس کے در پر جبیں سائی اور پھر اُس کی مخلوق کے ساتھ تمہارے گوناگوں تعلقات اور روابط سب تمہارے بنیادی تصورِ حیات یعنی ایمان کے رُخِ زیبا کے عکس ہونے چاہییں جب تک تمہاری حیات کے مختلف گوشے ایک ہی نور سے منور نہیں ہوتے۔ اس وقت تک تمہاری زندگی کی فطری وحدت قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ چیز عقل و فہم کے خلاف ہے کہ تمہارا ضمیر اور وجدان تو ایمان باللہ کی روشنی سے جگمگا رہا ہو لیکن تمہاری معیشت اور سیاست، تمہاری تہذیب اور معاشرت کو طاغوت نے اپنے تسلط کی وجہ سے ظلمتکدے بنا کر رکھ دیا ہو۔

حق اپنے مزاج کے اعتبار سے سرتاپا توحیدی ہے اور وہ اپنے ساتھ باطل کی کسی معمولی سے معمولی آمیزش کو گوارا نہیں کر سکتا۔ حق کا نور جب کسی شخص کے قلب و دماغ پر اپنی حیات آفرین کرنیں بکھیرتا ہے تو باطل کی تاریکیاں آن واحد میں اپنے ڈراؤنے پروں کو سمیٹ لیتی ہیں۔ کیونکہ انہیں اس کی ضیا پاشیوں کے سامنے ایک لمحہ کے لیے بھی ٹھہرنے کی ہمت نہیں ہو سکتی۔ جو دل حق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو اُس میں باطل کسی صورت بھی راہ نہیں پا سکتا۔ کیونکہ حق مغلوب و مفتوح ہونے، یا باطل کے ساتھ مصالحتیں اور معاہدے کرنے کے لیے نہیں آتا بلکہ باطل کا یکسر قلع قمع کر کے اپنی مکمل عملداری قائم کرنے کے لیے آتا ہے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ اور اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔ باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی ازل سے ستیزہ کار رہا ہے اور حق نے کبھی ایک لمحہ کے

لیے بھی یہ گوارا نہیں کیا کہ زندگی کے کسی میدان میں بھی جہاں اس کا نور پھیل رہا ہے وہاں وہ باطل کے شرارے کو آزادی کے ساتھ بھڑکنے کا موقع دے۔

يُرِيدُونَ اَنْ يُّطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ـ هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (التوبہ - ۵)

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنسِ دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

اسلام کا نور مسجدوں کی محرابوں یا خانقاہوں کے حجروں میں سمٹ کر رہنے کے لیے نہیں آیا بلکہ اعداء کی ساری یورشوں اور باطل کی اٹھائی ہوئی آندھیوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے اور کفر و شرک کی تاریکیاں دور کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس نور کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے قلب و دماغ اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت سے روشن ہوں اور ان کے کسی گوشے میں بھی جاہلیت کا کوئی نقش باقی نہ رہے۔ لوگ تنگ نظری اور تعصب سے نجات حاصل کریں اور خدا کی کھلی ہوا اور روشنی میں سانس لینا سیکھیں۔ طاغوتی انسانوں نے اپنی چالاکی اور عیاری سے جس طرح کمزور اور بے بس لوگوں پر اپنی جھوٹی خدائی قائم کر رکھی ہے اس کا خاتمہ ہو، دنیا سے فتنہ و فساد مٹے اور انسانیت اپنے خالق و مالک کو پہچان کر پوری آزادی کے ساتھ، بغیر کسی ادنیٰ مزاحمت کے، اس کی حاکمیت قبول کرے۔ عرب قاصدوں کو جب شاہِ ایران کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے اپنی جد و جہد کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے بڑے واضح الفاظ میں یہ کہا:

"ہم یہاں اس لیے آتے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر

اللہ کی بندگی میں داخل کریں، دنیا کی تنگی سے نجات دلا کر وسعت و کشائش کی راہ دکھائیں ظلم و جور سے بچا کر عدل و انصاف کی فضا میں لائیں۔ بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اس لیے اُن کے درمیان برادرانہ محبت قائم ہونی چاہیے۔ ہماری نظر میں انسانوں کے درمیان شریف و کمین کی کوئی تقسیم صحیح نہیں ہم انسانوں کی خود ساختہ اونچ نیچ کے قائل نہیں۔ ہم ساری اولادِ آدم کو ایک ہی اصل کی شاخیں سمجھتے ہیں اور سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں۔ ملک گیری اور کشور کشائی ہمارا مقصد نہیں ہے۔ ہم انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ اگر ہماری بات مان لی جائے تو ہم واپس لوٹ جائیں گے"۔

اسلام میں حکومت و فرمانروائی بذاتِ خود مطلوب و مقصود نہیں بلکہ اس دنیا میں خدا کی بادشاہت قائم کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ اس راہ میں ہر قسم کی مزاحمتیں پیش آتی ہیں، ہر طرف سے مخالفتوں اور مخاصمتوں کے طوفان اٹھائے جاتے ہیں لیکن یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس مخالفت میں سب سے زیادہ پیش پیش وہ لوگ رہے ہیں جنھوں نے خدا کی حاکمیت قائم کرنے کی بجائے اپنی کبریائی کے ٹھاٹھ جما رکھے ہوتے ہیں۔

حکومت درحقیقت کسی قوم کی ساری قوتوں، اُس کے افراد کی صلاحیتوں اور اُس کے ذرائع و وسائل کا مرکز و محور ہوتی ہے۔ اس بنا پر جس فرد یا گروہ کے ہاتھ میں یہ آجائے وہ اس سے جس طرح چاہے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور قوم کو جس رنگ میں چاہے رنگنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ الناس علیٰ دین ملوکھم کوئی شاعرانہ تخیل نہیں بلکہ ایک واضح حقیقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے بھی انسانوں کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر خدا کی بندگی میں داخل کرنے کا عزم کیا انھیں اصحابِ اقتدار

نے سب سے زیادہ اپنے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا۔

ان پاکیزہ لوگوں کے خلاف جو فردِ جرم ہمیشہ تیار رہوئی ہے اس میں سرِ فہرست یہ الزام رہا ہے کہ ان کی نیتیں ٹھیک نہیں۔ یہ اقتدار کے بھوکوں کا ایک ٹولہ ہے جو کسی مضبوط قیادت کو پریشان کر کے قوم کی سالمیت کو خطرہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ لوگ بر سرِ اقتدار گروہ سے تخت چھین کر خود اس پر براجمان ہونے کے آرزومند ہیں۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر ان لوگوں کے اس غلط پروپگنڈہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کے پاس جا کر یہ کہا کہ میں کائنات کے خالق و مالک کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرا منصب یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں۔ میں تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیلِ ماموریت لے کر آیا ہوں، لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے (الاعراف - ۱۰۳)، تو فرعون اور اُس کے ساتھیوں نے اس مخبرِ صادق کی دعوت پر غور کرنے کی بجائے فوراً یہ کہا:

اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ۔ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ۔ (الاعراف - ۱۱۰)	یقیناً یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ تمہیں تمہاری زمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ اب کہو کیا کہتے ہو۔

یعنی انہیں خدا کا پیغام سنتے ہی فوراً اقتدار کے لالے پڑ گئے کہ کہیں تخت و تاج اُن سے چھن نہ جائے۔

پیغمبر کی عظمت کو ٹھیس پہنچانے اور اس کی دعوت کا وزن کم کرنے کے لیے انھوں نے یہی حربہ کارگر سمجھا کہ کسی طرح لوگوں کے ذہنوں میں اس باطل خیال کی آبیاری کی جاتی کہ حق و باطل کے درمیان آج جو کشمکش برپا ہے اُس کے پیچھے مقدس اصول اور پاکیزہ نظریات کام نہیں کر رہے بلکہ یہ محض اقتدار کے حصول کے لیے رسہ کشی ہے۔

قرآن مجید نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کے اسی الزام کو الفاظ کے معمولی تغیر و تبدّل کے ساتھ کئی بار دُہرایا ہے۔ چنانچہ سورۃ یونس میں مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے جلیل القدر بھائی حضرت ہارون علیہ السّلام کی دعوت سُن کر اصحابِ اقتدار سخت برہم ہوتے اور اُن کی نیّت پر حملہ کرتے ہوئے کہا: تم اس لیے اٹھے ہو کہ تمہیں ملک میں بڑائی حاصل ہو جائے:۔

تکون لکما الکبریاء فی الارض۔ یہی الزام حضرت عیسیٰ پر لگایا گیا کہ یہ شخص یہودیوں کا بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ اسی شبہ کا اظہار حضرت نوح علیہ السلام کے سلسلے میں کیا گیا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ. فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ

(المومنون ۔ ۲)

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں ہے، کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ اس کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا وہ کہنے لگے کہ یہ شخص کچھ نہیں مگر ایک بشر تم جیسا ہے اس کی غرض یہ ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق سردارانِ قریش لوگوں کے اندر اسی نوعیت کی غلط فہمیاں پھیلاتے رہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ ساری عمر دنیا اور اُس کے مادی فوائد و لذائذ اور اس کی شان و شوکت ہی کے لیے اپنی جانیں کھپاتے رہتے ہیں۔ اُن کے تصوّر میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ کوئی گروہ محض اپنے مالک اور خالق کی رضا جوئی کے لیے اور اُسی کی حاکمیت قائم کرنے کیلیے جان و مال قربان کر سکتا ہے۔ وہ خود چونکہ اپنی کبریائی کے حفظ و بقا کے لیے ہر طرح کے مکر و فریب سے کام لیتے ہیں اور عوام کو اپنے متعلق مختلف خوش فہمیوں میں گرفتار رکھنے کی غرض سے اصلاح کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں، اس لیے یہ مکّاری اور

فریب کاری ان کی نگاہ میں عین اقتضائے فطرت ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اصلاح محض مکر و فریب کا دوسرا نام ہے اور اس کی پشت پر کبھی بھی صداقت اور اخلاص نہیں ہو سکتا۔ چونکہ ان لوگوں کی اپنی نیتیں صاف نہیں ہوتیں اس لیے انھیں دوسروں کے دل کے آئینے میں صرف اپنے آلودہ ضمیر کے عکس ہی نظر آتے ہیں۔ اور وہ انہیں اپنے ہم جنس سمجھ کر اُن سے نپٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور لُطف کی بات یہ ہے کہ خدا کے پاک بندوں پر ہوسِ اقتدار کا الزام لگانے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ جس جذبہ کو وہ غلط، خطرناک اور قوم و ملک کے لیے مہلک سمجھتے ہیں وہ خود اسی جذبہ کے مظہر ہیں۔ کیا یہ اقتدار اُن کا کوئی پیدائشی حق ہے کہ اگر وہ خود اس پر قابض رہیں تو فطرت کے مقاصد کی تکمیل ہو، اگر کوئی دوسرا اُس کے حصول کا ارادہ کرے تو وہ لازمی طور پر بدنیت ہی ہو۔ کیا یہ لوگ مالک الملک سے کوئی ایسی سند لے کر آئے ہیں جس کے تحت انہیں اقتدار سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر حکومت کوئی قابلِ ملامت چیز ہے تو یہ اس پر قبضہ رکھنے والوں اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد کرنے والوں دونوں کے لیے بُری ہے۔

اس جگہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جو فرد یا گروہ بھی رائج الوقت نظامِ زندگی کی خرابیوں کو دُور کرنے کے لیے اُٹھے گا اور اس کے مقابلے میں اصلاحی نظریہ و نظام پیش کریگا، اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ باطل نظامِ حیات جس سرچشمہ سے قوت و توانائی حاصل کر رہا ہے، سب سے پہلے اُس پر قبضہ کیا جائے۔ تاکہ اس کے مختلف شعبے غذا نہ ملنے کی وجہ سے خود بخود کمزور پڑ جائیں اور پھر انہیں اکھاڑ کر اُن کی جگہ صحیح نظامِ زندگی نافذ کرنے میں کوئی شدید دشواری پیش نہ آنے پائے۔

مذہب اور سیاست کی تفریق کا تصور یوں تو بنیادی طور پر غلط ہے لیکن ممکن ہے اُسے اُن مذاہب کے اندر پنپنے کا موقع مل گیا ہو جن میں مذہب صرف گیان دھیان یا پُوجا پاٹ یا چند اخلاقی نصائح کا نام ہے۔ مگر وہ دین جو پُوری زندگی پر محیط ہے، جو ایک ہمہ گیر انقلاب کا علمبردار ہے اور جس کے پیشِ نظر سارے باطل ادیان کو مٹا کر اپنا تسلط قائم کرنا ہے، اس کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہاں مذہب کو سیاست سے الگ رکھا جا سکتا ہے، انتہائی درجے کی سادگی ہے، ایسی سادگی جس کے ڈانڈے حماقت اور بیوقوفی سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔

آپ اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ جو اجتماعی نظام آپ کا احاطہ کیے ہوئے ہے وہ آخر کس بل بوتے پر چل رہا ہے۔ کیا آپ کا نظامِ تعلیم و تربیت اپنے وسیع اخراجات، اپنے انتظام و انصرام اور اپنی منصوبہ بندی کے لیے حکومت کا دست نگر و محتاج نہیں۔ کیا آپ کا معاشی نظام اپنی قوت و توانائی بلکہ اپنے حفظ و بقا کے لیے رائج الوقت سیاسی نظام سے ہر لمحہ غذا نہیں حاصل کر رہا۔ کیا آپ کی معاشرت کے رگ و پے میں غالب سیاسی افکار پوری طرح سرایت نہیں کر رہے۔ ذرا غور کیجیے کہ حکومت، جو کسی نظام کی مرکزی قوت ہے، اس کو تبدیل کیے بغیر کسی اصلاح کا خواب کس طرح شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

حکومت خواہ وہ جمہوریت ہو یا آمریت، بادشاہت ہو یا اشتراکیت، قوت و طاقت کا سب سے بڑا منبع و مخزن ہے اور مختلف افکار و نظریات کو فروغ دینے بلکہ لوگوں کے دل و دماغ پر اُن کا تسلط قائم کرنے کے لیے اس نے ہمیشہ دوسرے تمام ذرائع سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا ہے۔ لیکن دورِ جدید میں زمان و مکان کے سمٹ جانے کی وجہ سے اس کا دائرہ عمل اتنا وسیع اور اس کی گرفت اتنی مضبوط ہو گئی ہے کہ آج کسی شخص کے لیے اجتماعی زندگی میں نہیں بلکہ بالکل انفرادی زندگی میں بھی اپنے مسلک پر قائم رہنا جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم نہیں۔ باطل تصورات کے تھپیڑے اُس کے دل و دماغ کے کواڑوں سے

ہر وقت ٹکراتے رہتے ہیں، اس کی آنکھیں اپنی پوری احتیاط کے باوجود بے حیائی کے روح فرسا مناظر دیکھنے پر مجبور رہتی ہیں۔ وہ رزقِ حلال کے چند نوالوں کے لیے ترستا ہے، اور مالِ حرام کی بڑی سے بڑی مقدار کو ٹھکرا دینے کے لیے تیار رہتا ہے، لیکن اسے اتنے بڑے ایثار اور قربانی کے باوجود کوئی ایک لقمہ بھی ایسا میسّر نہیں آتا جس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کہا جا سکے کہ اس میں حرام کی کوئی معمولی آمیزش بھی نہیں۔ پھر وہ اپنی ننھی ننھی کلیوں کو مغربی تہذیب کی بادِ سموم سے بچا کر رکھنے کے لیے ہر طرح کی تگ و دو کرتا ہے، لیکن اُس کی یہ کوشش کسی درجہ میں بھی کامیاب نہیں ہوتی۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس کی خواہش اور تمنّا کے علی الرغم یہ بادِ سموم اُس کے جگر پاروں کو اپنی لپیٹ میں فوراً لے لیتی ہے۔ اور یہ کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔ جو باطل تصورات کسی نظامِ حیات کے اندر خون کی طرح دوڑ رہے ہوں، ایک زندہ انسان اُن سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے۔

چنانچہ دیکھیے کہ آج مغربی تہذیب کے علمبردار اپنی تہذیب کو مشرقی اقوام پر مسلط کرنے کے لیے جو گُر وہاں کے مغرب پرستوں کو بتا رہے ہیں اُن میں سب سے پہلا گُر یہ ہے کہ اُن ممالک میں مغربی تہذیب کے پرستاروں کی مضبوط حکومت قائم کی جائے اور پھر اس کی قوت و طاقت کی مدد سے اُس کے افکار و نظریات کو لوگوں کے دل و دماغ میں اُتارا جائے۔ یوں تو اس موضوع پر یورپ میں گذشتہ چند سالوں میں بے شمار کتب شائع ہوئی ہیں لیکن اس وقت ہمارے سامنے آئی۔ آر۔ سینائی I. R. SINAI کی کتاب THE CHALLENGE OF MODERNIZATION ہے۔

اس کتاب کی ہمارے نزدیک سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں فاضل مصنّف نے اہلِ مغرب کے عزائم کو بڑے واشگاف الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس کا خیال یہ ہے کہ یورپ کی دم توڑتی ہوئی تہذیب کے بقا کے لیے یہ ضروری ہے کہ مشرقی قوموں کو اس کا مومن صادق بنایا جائے۔

لیکن اس کے نزدیک یہ کام مغربی استعمار کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا ۔ چنانچہ وہ مغربی قوموں کو بڑے دردمندانہ انداز میں یہ کہتا ہے کہ انہیں مشرق کو سیاسی طور پر تاخت و تاراج کرنے سے گریز کرنا چاہیے اور ان ممالک کے باشندوں میں سے ایسے لوگوں کو برسرِ اقتدار لانے کی کوشش کرنی چاہیے جو مغربی تہذیب پر دل و جان سے ایمان رکھتے ہوں اور اس کے نفاذ کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کرنے پر آمادہ ہوں۔

مصنف کے نزدیک اس مقصد کے حصول کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان ممالک میں مضبوط حکومتیں قائم کی جائیں اور وہاں جمہوریت کے نشوونما کا لوگوں کو قطعاً موقع فراہم نہ کیا جائے کیونکہ جمہوریت کی آزاد فضا میں یہاں "رجعت پسند عناصر" کو سر اٹھانے اور مغربیت کی یلغار کو روکنے کا موقع ملتا ہے ۔ اس طرح اس کی رفتار سست پڑ جاتی ہے ۔ سینائی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تمدن کے تسلط کی سب سے مؤثر صورت یہ ہے کہ مشرق کے سارے ممالک میں مضبوط، مستحکم آمریت ابھرے جو بڑی جرأت ، حوصلہ مندی اور نتائج و عواقب سے یکسر بے پروا ہو کر ڈنڈے کے زور سے مغربی تہذیب کو نافذ کر دے ۔

وہ اس معاملے میں اشتراکیت تک کو اپنانے کا مشورہ دیتے ہیں ۔ اُن کے نزدیک مغرب میں مارکسی افکار و نظریات اور اشتراکی نظامِ حیات کسی حیثیت سے بھی مفید اور کارآمد ثابت نہیں ہوئے ۔ کیونکہ انھوں نے انسانوں کو بڑی ظالمانہ جکڑ بندیوں میں جکڑ کر رکھ دیا ہے لیکن وہ اس "نسخہ" کو مشرق کے لیے بجید فائدہ مند خیال کرتے ہیں ۔ ان کا تجزیہ یہ ہے کہ اشتراکیت کے اثر و نفوذ کی وجہ سے اہلِ مشرق کی دینی روایات کا جلد جنازہ اٹھ جائے گا اور اس طرح مغربی تہذیب کی راہ میں جو رکاوٹیں موجود ہیں وہ خود بخود ختم ہو جائیں گی ۔ دوسرے اشتراکی نظام چونکہ جابرانہ حکومت کے بل بوتے پر ہی چل سکتا ہے اس لیے وہاں لازمی طور پر مضبوط، مستحکم آمریتیں قائم ہونگی جو وہاں کے باشندوں کے احساسات و جذبات کو یکسر نظر انداز

(باقی صفحہ ۲۲)